اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: جناب مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

احتساب ایک سنہری زنجیر ہے، جس میں تمدن، معاشرت اور اخلاق کی تمام جزئیات جکڑی ہوئی ہیں اگر اس کی بندش ڈھیلی ہو جائے تو نظام عالم کی ایک ایک کڑی درہم برہم ہو جائے۔ اسی غرض سے دنیا نے احتساب کو مختلف صورتوں میں قائم رکھا ہے۔ خاندانوں اور کنبوں نے مختلف رسم ورواج اختیار کئے۔ جن کی خلاف ورزی موجب ملامت بلکہ بعض اوقات قومی جرم خیال کی جاتی ہے۔ سلطنتوں نے قوانین بنائے، جو انسان کو ایک خاص نظام کے ماتحت ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ حکماء نے فلسفہ اخلاق ایجاد کیا، جو اخلاقی قوانین کی پیروی پر جمعیت بشری کو مجبور کرتا ہے۔

اگر یورپ کو اپنی تہذیب پر فخر ہے کہ وہ انسان کی ہر فروگذاشت پر سختی کے ساتھ گرفت کرتی ہے۔ اگر رومن لا (رومی قانون) کو اپنے اوپر ناز ہے کہ وہ دنیا کے قوائے متضاد کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اگر یونان کو اپنے فلسفہ اخلاق پر گھمنڈ ہے کہ وہ اخلاقی قویٰ کی تربیت کرتا ہے، تو ہمیں ان کے بڑے بول سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے، ہم رسم ورواج کے پابند نہیں کہ یورپ کے قوانین معاشرت پر فریفتہ ہو جائیں۔

ہم قانونی سختیاں برداشت کرنے کے خوگر نہیں کہ اپنے ہاتھ کو ہتھکڑی کے حوالے کر دیں، قیاسات عقلی ہماری غذائے روحانی نہیں کہ یونانیوں کے طلسم میں پھنس جائیں بلکہ ہمارے رگ اور پٹھے ایک پاک مذہب کے سلسلے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے گوشت اور خون پر چمڑے کی بجائے مذہب کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ ہمارے قلب کو ایک غیر متزلزل مذہبی احساس حرکت دے رہا ہے۔ پس ہم کو ہر دل فریب رسم ورواج ہر مرعوب کر دینے والے فلسفے کو چھوڑ کر اپنی باگ صرف اسلام ہی کے ہاتھ میں دینی چاہیے اور اس پر فخر کرنا چاہیے۔

اسوۂ حسنہ: مذہب کی قوت احتساب ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض کر کے ہم کو پوری دنیا کی مادی واخلاقی غلامی سے آزاد کر دیا ہے۔ ''یقیناً

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں پیروی واتباع کا بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔'' [الاحزاب:۲۱]

اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ تم رسول ﷺ کی اتباع کرو کیونکہ ایک شخص کی پیروی کرنے سے دوسرے اشخاص کی نفی نہیں ہو جاتی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ تمہاری اتباع صرف اسی پاک ذات میں محدود ہے کیونکہ تمہیں اعمال صالحہ کا یہ خزانہ دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔ اس طرز بیان سے نہ صرف جناب رسول ﷺ کا اتباع لازم کر دیا گیا۔ بلکہ ساتھ ہی دوسرے تمام بڑے انسانوں کے اتباع کی بھی نفی کر دی۔ اس لئے کہ صرف ایک ہی آفتاب ہے جس کی روشنی ظلمت زار دنیا کی ہر اندھیری اور ہر تیرہ و تاریک راہ میں ہماری راہ نمائی کر سکتی ہے۔

اسی آفتاب کی روشنی سے اور سیارے بھی نور حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا اتباع بھی ہم پر واجب ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے اس کے بعد ان لوگوں کا دور جو اس کے بعد آئیں گے۔ پھر وہ لوگ جو اس کے بعد اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں گے۔''

''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں'' اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان خصوصیات کا بار بار ذکر کیا ہے۔

''جو رسول اور نبی امی کی پیروی کریں گے جس کی بعثت توریت اور انجیل میں لکھی پائیں گے۔ وہ انہیں نیکیوں کا حکم دے گا اور برائیوں سے منع کرے گا پاک اور مفید چیزوں کو ان پر حلال اور ناپاک اور مضر چیزوں کو حرام کرے گا۔'' [الاعراف:۱۵۷]

''تم لوگ بہتر امت ہو جسے اللہ نے دنیا کی ہدایت و رہنمائی کیلئے نمایاں کیا۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔'' [آل عمران:۱۱۰]

لیکن ان آیتوں کی عملی تفسیر ہمیں صرف احادیث کی کتابوں میں ڈھونڈنی چاہیے۔ جن کے ذریعے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقع احتساب کے ایک ایک جزیئے کا پتہ لگ سکتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے ہدایت و ارشاد کیلئے جو آفتاب اور سیارے پیدا کئے تھے، وہ ہمیشہ ضیا گستر رہتے تھے۔ احتساب کی ترتیب اصلاح نفس سے شروع ہو کر بالترتیب محتسب کے قبیلے اور قوم تک منتہی ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرض احتساب اسی ترتیب کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔

اصلاح نفس: آنحضرت ﷺ کی ذات پاک جامع فضائل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام زلات کو

معاف کر دیا تھا۔ باایں ہمہ آپ اس کثرت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں پھول کر پھٹ جاتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس محنت شاقہ کو دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے، پھر آپ کیوں اس قدر مصروف عبادت رہتے ہیں؟؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہونے کی کوشش نہ کروں۔

چنانچہ جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آتے تھے جو قلب کو اللہ کے شکر سے پھیر سکتے تھے یا نفس میں غرور و تکبر پیدا کر سکتے تھے۔ تو آپ ﷺ نہایت سختی کے ساتھ ان کا انکار کر دیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں ایک پردہ لٹکایا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا: ہمارے سامنے سے یہ پردہ ہٹا لو کیونکہ اس کی تصاویر میری نماز میں سامنے آتی رہتی ہیں، یعنی خلل انداز ہوتی رہتی ہیں۔

ایک صحابی نے بطور تحفہ کے آپ ﷺ کو حریر کا ایک جبہ دیا۔ آپ ﷺ نے اسے پہن کر نماز پڑھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد نہایت ناگواری سے اتار کر پھینک دیا فرمایا: ''یہ پرہیز گاروں کے قابل نہیں۔'' غرور و کبر کا سرچشمہ مدح و ستائش ہے۔ امراء و سلاطین کو اس مرض نے دنیا کی تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ اگرچہ خیر البشر تھے لیکن اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو انبیائے سابقین علیہم السلام پر ترجیح دیتا تھا تو آپ ﷺ اسے منع فرماتے تھے۔ ایک صحابی اور ایک یہودی میں جھگڑا ہو گیا، صحابی نے غصہ میں قسم کھائی اور کہا: ''اللہ کی قسم جس نے محمد ﷺ کو تمام دنیا سے افضل بنایا ہے۔'' یہودی نے بھی قسم کھائی اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام دنیا پر ترجیح دی ہے۔ صحابی نے اس پر غصے میں آ کر یہودی کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا: ''مجھے موسیٰ پر ترجیح نہ دو۔''

احتساب قبیلہ و خاندان: خیرات گھر ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو حکم دیا تھا ''اپنے ہی خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے آگے حق پیش کرو اور عذاب الٰہی سے ڈراؤ''

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے پورے قبیلے اور خاندان کو جمع کر کے پیغمبرانہ لہجے میں یہ حکم سنایا: ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا محمد ﷺ کی بیٹی! تم سب اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ'' کیونکہ میں قیامت کے دن کچھ بھی نفع و نقصان نہ پہنچا سکوں گا۔ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! تجھے مجھ سے صرف جسمانی تعلق ہے، اور رشتے کی بیل کو صرف دنیا ہی میں سرسبز و شاداب رکھ سکوں گا۔ یہ ایک عام احتساب تھا۔ لیکن مخصوص مواقع پر بھی

آپ ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اہل وعیال کو نیکی کی ترغیب دیتے اور برائی سے روکتے رہتے تھے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک رات اٹھے اور فرمایا: سبحان اللہ آسمان سے فتنہ وفساد کی بارش ہورہی ہے اور برکات وفضائل کے خزانے کھل گئے ہیں۔ حجروں میں سونے والیوں کو جگادو کیونکہ دنیا کی بہت سی کپڑے پہننے والی عورتیں آخرت میں برہنہ نظر آئیں گی۔ آپ ﷺ نے تنزہ نفس اور استغناء کی وجہ سے فقر وفاقہ کے باوجود اپنے اوپر اور اپنے تمام خاندان کے اوپر صدقہ حرام کرلیا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بچپن میں صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی، آپ ﷺ کی نگاہ پڑی تو فوراً ٹوکا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا؟؟ ایک مرتبہ شب کو آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: تم لوگ اٹھ کر تہجد کیوں نہیں پڑھتے؟؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ! ہماری نیند اور بیداری تو اللہ کے اختیار میں ہے اگر وہ جگائے گا تو جاگیں گے؟؟ آنحضرت ﷺ خاموش ہوگئے۔ مگر اپنی ران پر افسوس کے ساتھ ہاتھ مارا اور آیت پڑھی: ''آدمی بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔''

احتساب قوم: اگرچہ تمام جزئی مواقع؛ جہاں آنحضرت ﷺ نے احتساب کا فرض ادا کیا ہے، احتساب قومی کے تحت میں داخل ہیں، لیکن آپ ﷺ نے دو موقعوں پر نہایت بلیغ تشبیہ کے ساتھ اپنی اس خصوصیت کا اظہار اپنی قوم کے سامنے فرمایا: ''میری اور میری شریعت کی مثال بعینہ اس شخص کی سی ہے۔ جس نے ایک قوم کے پاس آکر یہ وحشت انگیز خبر سنائی کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر تمہاری طرف آتے دیکھا ہے۔ میں ایک نذیر عریاں ہوں (یعنی ننگا ڈرانے والا۔ عرب میں ہر اہم واقعے کی خبر ننگے ہوکر دیتے تھے) پس تمہیں ہوشیار ہوجانا چاہیے۔ چنانچہ ایک گروہ نے اس کا کہنا مانا، اور وہ رات ہی رات بچ کر نکل گیا۔ دوسرے گروہ نے اسے جھٹلایا نتیجہ یہ رہا کہ لشکر نے دھاوا بول دیا اور اس گروہ کا استیصال کردیا ہے۔''

دوسرے موقع پر فرمایا: ''میری اور تمام لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ بھڑکائی جب آگ کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تو پروانے اس پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ اس نے پروانے کو آگ میں جانے سے روکنا چاہا، لیکن وہ سب اس کے قابو میں نہ آسکے اور آگ میں گھس گئے۔''

عقائد کی درستی: آنحضرت ﷺ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد تصحیح عقائد تھا، عقائد میں بدترین چیز شرک فی اللہ تھی۔

آنحضرت ﷺ نے صرف شرک ہی مٹانے کیلئے جہاد کیا، جو احتساب کی آخری منزل ہے لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت عقائد ہیں، جو عام دسترس سے باہر ہیں اگر عام لوگوں کو اس میں غور وفکر کا موقع دیا جائے تو مذہبی عقائد میں بہت سے مفاسد پیدا ہو جائیں اور اسلامی عقائد کی سادگی فنا ہو جائے، جو اسلام کا سب سے بڑا زیور ہے۔ اسی غرض سے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت قرار دی تھی کہ وہ غیر ضروری چیزوں پر وقت ضائع نہیں کرتے، چنانچہ عہد نبوت میں جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آئے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے سختی کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو زجر وتوبیخ کی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم مسئلہ جبر وقدر پر مباحثہ کر رہے تھے جس نے آگے چل کر مسلمانوں کے دو عظیم حریف مقابل پیدا کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا تو چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا: ''کیا تم لوگوں کو اس کا حکم دیا گیا ہے، یا تم لوگ اس لئے پیدا کیے گئے ہو؟ تم لوگ قرآن گڈمڈ کر رہے ہو۔ گزشتہ قوموں کو اسی قسم کے لایعنی مسائل نے برباد کیا۔''

اگرچہ اسلام نے عرب جاہلیت کے تمام تو ہم آمیز عقائد مٹا دیئے تھے تاہم بعض باتیں رہ گئی تھیں اور کبھی کبھی ان کا ظہور ہو جاتا تھا۔ عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا مر جاتا ہے تو سورج میں گہن لگ جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو اتفاق سے اسی دن سورج میں گہن بھی لگ گیا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کا اثر ہے، لیکن آپ ﷺ نے فوراً اس کی تردید کی اور لوگوں کو اس خیال سے روکا اور فرمایا: ''چاند اور سورج میں کسی کے مرنے اور جینے سے گہن نہیں لگتا۔'' علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ ارشاد بھی رسول اللہ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی ایک بین شہادت ہے۔ لوگوں میں یہ خیال خود بخود پیدا ہوا تھا کسی نے پیدا نہیں کیا تھا۔ لیکن چونکہ غلط تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کا رد سر عام کر دیا۔

عبادات چونکہ روز کی چیزیں تھیں جن میں سہو وغفلت اور بے عنوانی پیدا ہونا ضروری تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کے بارے میں احتساب کی اکثر ضرورت پیش آتی تھی۔ اسلام نے ادائے نماز کیلئے جماعت کو ضروری قرار دیا تھا۔ لیکن لوگ اس میں غفلت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے چند اشخاص کو ڈھونڈا تو نہ پایا، نہایت برہم ہوئے اور فرمایا: جی میں آتا ہے ایک شخص کو امام بنا کر خود ان لوگوں کے پاس چلا جاؤں اور لکڑیوں کا ڈھیر لگا کر ان کے گھروں میں آگ پھونک دوں۔ بعض لوگ جب امامت کرتے تھے تو

نماز میں طول دیتے تھے جس سے کاروباری اور ضعیف لوگ گھبرا جاتے تھے۔ ایک شخص نے اسی بنا پر امام کی شکایت کی۔ آپ ﷺ کو معمول سے زیادہ غصہ آگیا اور فرمایا: ''تم مذہب سے لوگوں کو متنفر کر رہے ہو۔ امام کو نماز میں تخفیف کرنی چاہیے کیونکہ ان میں مریض، ضعیف اور کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

نماز کا اصلی مقصد خشوع و خضوع ہے لیکن جب کسی کے طرز عمل سے ان کا ظہور نہیں ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ اسے تنبیہ فرماتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت عجلت کے ساتھ نماز پڑھی، نماز پڑھ چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کو دہراؤ، تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اس نے تین بار نماز دہرائی۔ آپ ﷺ نے تکبیر، قرأت، رکوع و سجود اور قعود کے وہ طریقے بتائے جن سے اطمینان، سکون، وقار اور اعتدال کا اظہار ہوتا تھا۔

جزئیات پر نظر: عبادات اور مقدمات عبادات کے بارے میں آپ ﷺ معمولی اور جزئی باتوں پر گرفت کرتے تھے۔ ایک بار سفر میں تھے کہ نماز عصر کا وقت ہوگیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پاؤں کا مسح کیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو دور سے بلند آواز دی، ابتدائے اسلام میں نماز کے قیام و ادا کی حالت بالکل ابتدائی تھی۔ تمام جزئیات اور فروع ابھی واضح نہیں ہوئے تھے۔ اس طرح کا بتدریج ارتقاء مذہب کی ہر تعلیم میں ہوتا ہے۔ موجودہ حالت ایک مدت کے تغیرات کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ ابتداء میں اکثر لوگ مسجد کے اندر تھوک دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مسجد میں تھوک کا دھبہ دیکھا تو خود اٹھے، دست مبارک سے اسے مٹا دیا پھر فرمایا نماز میں ہر شخص اللہ سے سرگوشی کرتا ہے۔ اس لئے کسی شخص کو قبلہ کی طرف تھوکنا نہیں چاہیے، البتہ دائیں بائیں یا پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ اس وقت مسجد کا فرش پختہ نہیں ہوتا تھا۔ صحن مسجد اور عام سطح زمین میں سوائے حدودِ عمارت کے اور کوئی امتیاز قائم نہیں تھا۔ ریتلی زمین تھی، اور وہ ہر طرح کی رطوبت جذب کر لیتی تھی لیکن اب مسجدوں کا داخلی حصہ ہی نہیں، صحن کا فرش بھی پختہ ہوتا ہے۔ پس وہاں تھوکنا مسجد کی صفائی اور نمازیوں کے حقوق نشست پر حملہ کرنا ہے۔

بدعت: نظام مذہبی کا سب سے خطرناک مرض بدعت ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسلمان اس مرض میں مبتلا نہیں ہوسکتے تھے، تاہم جاہلیت کے زمانے کی بہت سی بدعتوں کی جھلک کبھی کبھی نظر

آجاتی تھی۔اسی لئے آپ ﷺ ہمیشہ ان کے مٹانے کے درپے رہتے تھے۔بدعت کی مختلف قسمیں اور مختلف مظاہر ہیں لیکن اس کی بدترین شکل رہبانیت اور جوگ ہے، جو یہود ونصاریٰ کے مذہب کا جزو بن گئی تھی۔

عرب پر یہود ونصاریٰ کے مذہب کا اثر غالب تھا۔اس لئے وہاں بھی اس قسم کی بدعات پیدا ہوگئی تھیں۔ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے کاندھے پر ہاتھ رکھے جارہا ہے۔آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا: اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، ضعف کی وجہ سے بیٹوں کے سہارے چلتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے کیوں اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کردیا ہے۔اللہ اس سے بے نیاز ہے۔عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے غلاف کعبہ تک ننگے پاؤں چلنے کی منت مانی اور عقبہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ پوچھ آئیں۔آپ ﷺ نے فرمایا سواری پر بھی جاسکتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے لوگ نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ بیٹھ کرسن رہے تھے۔لیکن ایک شخص کھڑا تھا۔آپ ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا۔ سائے میں نہ بیٹھے گا۔کسی سے بات چیت نہ کرے گا اور روزہ بھی رکھے گا۔آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اسے بیٹھنا چاہیے، سائے میں آنا چاہیے، گفتگو بھی کرنا چاہیے اور روزے کو بھی پورا کرنا چاہیے۔اسی طرح ایک شخص آپ ﷺ کو نظر آیا جسے ایک شخص ناک میں نکیل ڈال کر کعبہ کا طواف کرارہا تھا۔آپ ﷺ نے اس کی ناک کی رسی کاٹ دی، فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ کر طواف کراؤ۔لیکن ان بدعات سے زیادہ ان اصولوں کا مٹانا زیادہ ضروری تھا جن کی بنا پر بدعات پیدا ہوتی ہیں۔ بدعات کا سب سے بڑا سرچشمہ تشدد آمیزی انہاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے نظام عبادات کو نہایت سہل اور آسان طریقے پر قائم کیا ہے اس لحاظ سے اگرچہ خود اسلام کے سنگ بنیاد پر بدعت کی عمارت قائم نہیں کی جاسکتی تھی تاہم ابتداء میں صحابہ کا ایک پرجوش مخلص گروہ نہایت شدت کے ساتھ عبادت میں مصروف رہنا چاہتا تھا جب آنحضرت ﷺ نے ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا شروع کیا تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سختی کے ساتھ منع فرمایا۔اس پر بھی لوگ باز نہیں آئے تو معمول کے خلاف متصل روزہ رکھنا شروع کردیا کہ لوگ گھبرا کر خود باز آجائیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کثرت صوم وصلوٰۃ سے اسی لئے روک دیا تھا۔حضرت سلیمان نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بھی شدت زہد سے منع فرمایا تھا اور آپ نے ان کی تائید فرمائی تھی۔